عقائد شناسی

بارہ اماموں کے مختصر حالات زندگی

علامہ سید محمد حسین طباطبائی

پہلے امام

امیر المومنین علیؑ [1] بنو ہاشم کے سردار حضرت ابو طالبؑ کے فرزند تھے۔ حضرت ابو طالبؑ رسول اکرمؐ کے چچا اور سرپرست تھے جو آنحضرتؐ کو اپنے گھر لے آئے تھے اور آپؐ کو اولاد کی طرح پالا تھا۔ آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد بھی حضرت ابو طالبؑ جب تک زندہ رہے کفار عرب اور بالخصوص قریش کے مقابلے میں آپ کی مدافعت کرتے رہے۔

مشہور روایت کے مطابق حضرت علیؑ رسول اکرمؐ کی بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ جب آپ چھ برس کے تھے تو مکہ اور اس کے گردونواح میں قحط پڑ گیا اور اس بنا پر آپ آنحضرتؐ کے کہنے پر اپنے والد بزرگوار کے گھر سے ان کے گھر منتقل ہوگئے اور یوں آنحضرتؐ کی براہ راست سرپرستی میں آگئے۔ [2]

چند سال بعد جب رسول اکرمؐ منصب نبوت پر فائز ہوئے تو آپ پر پہلی وحی غار میں نازل ہوئی۔ جب آپؐ غار سے اپنے گھر کی طرف لوٹ رہے تھے تو آپؐ کی ملاقات حضرت علیؑ سے ہوئی۔ آپؐ نے انہیں سارا ماجرا سنایا اور انہوں نے اسی وقت نیا دین قبول کرلیا [3] پھر ایک مجلس میں جس میں رسول اکرمؐ نے اپنے رشتے داروں کو جمع کیا تھا اور انہیں اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص سب سے پہلے میری دعوت قبول کرے گا وہ میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہوگا اور اس موقع پر حضرت علیؑ واحد شخص تھے جو اٹھے اور ایمان لائے اور آنحضرتؐ نے ان کا ایمان قبول کیا۔ [4] پس حضرت علیؑ اسلام میں پہلے شخص تھے جو ایمان لائے اور آنحضرتؐ کے پیروؤں میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش نہیں کی۔

۱۔ اہل تشیع میں امیر المومنین، لقب حضرت علیؑ کے لیے مخصوص ہے اور ان کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ (مدیر)

۲۔ الفصول المہمہ، ص ۱۴، اور مناقب خوارزمی، ص ۱۷

۳۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۵۸، مناقب خوارزمی، ص ۱۲ تا ۲۲، اور ینابیع المودۃ، ص ۶۸ تا ۷۲ ۔ ۴۔ ارشاد، مفید، ص ۴، اور ینابیع المودۃ، ص ۱۲۲

حضرت علیؑ ہمیشہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر رہے حتیٰ کہ آنحضرتؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور ہجرت کی رات جب کفار نے آنحضرتؐ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور رات ختم ہونے پر گھر میں داخل ہو کر آپ کو آپؐ کے بستر پر شہید کر دینا چاہتے تھے، حضرت علیؑ آپؐ کے بستر پر سوئے اور آپؐ گھر سے نکل کر مدینہ روانہ ہو گئے [۱] آنحضرتؐ کی روانگی کے بعد آپؐ کی خواہش کے مطابق حضرت علیؑ نے وہ تمام امانتیں لوگوں کو لوٹا دیں جو انہوں نے آنحضرتؐ کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ پھر آپ اپنی والدہ اور دختر رسولؐ اور دو اور خواتین کو لیکر مدینہ پہنچے۔ [۲]

مدینہ میں بھی خلوت اور کیا جلوت میں حضرت علیؑ ہمیشہ رسول اکرمؐ کے ہمراہ رہے۔ آنحضرتؐ نے اپنی اکلوتی اور پیاری بیٹی فاطمہؑ کو آپ کی زوجیت میں دے دیا اور جب آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے مابین رشتۂ اخوت قائم کر رہے تھے تو انہوں نے حضرت علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ [۳] جن غزوات میں رسول اکرمؐ نے حصہ لیا ان سب میں حضرت علیؑ نے بھی شرکت کی بجز غزوۂ تبوک کیونکہ اس موقع پر آنحضرتؐ نے انہیں اپنا جانشین مقرر کر کے مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا [۴] آپ نے نہ کسی جنگ میں پسپائی اختیار کی اور نہ ہی کسی دشمن کو پیٹھ دکھائی۔ آپ نے رسول اکرمؐ کے کسی حکم سے کبھی بھی روگردانی نہیں کی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا: علیؑ نہ حق سے جدا ہوتے اور نہ حق علیؑ سے جدا ہوتا ہے"۔ [۵]

رسول اکرمؐ کے وصال کے وقت علیؑ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ اگرچہ آپ دینی فضائل کے لحاظ سے سب سے اول اور اصحاب رسولؐ میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے لیکن آپ کو اس بنا پر خلافت سے الگ کر دیا گیا کہ ایک تو آپ نو عمر ہیں اور دوسرے آپ نے رسول اکرمؐ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہو کر مشرکین کا خون بہایا تھا اس لیے بہت سے لوگ آپ کے دشمن ہیں لہٰذا حضرت علیؑ کا تمام عوامی معاملات سے تعلق تقریباً بالکل ختم ہو گیا چنانچہ آپ خانہ نشین ہو کر باصلاحیت اشخاص کو الٰہی علوم کی تربیت دینے میں مشغول ہو گئے۔ پہلے تین خلفاء کا پچیس سالہ دور آپ نے اسی طرح گزارا تیسرے خلیفہ کے قتل ہو جانے کے بعد لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آپ خلیفہ منتخب ہو گئے۔

۱- الفصول المہمہ، ص ۲۸ تا ۳۰، تذکرۃ الخواص، ص ۳۴، ینابیع المودۃ، ص ۱۰۵، اور مناقب خوارزمی، ص ۳۷، ۴۷

۲- الفصول المہمہ، ص ۳۴ ۳- الفصول المہمہ، ص ۲۰، تذکرۃ الخواص، ص ۲۰ تا ۲۴، اور ینابیع المودۃ، ص ۶۳ تا ۶۵

۴- تذکرۃ الخواص، ص ۱۸، الفصول المہمہ، ص ۲۱، اور مناقب خوارزمی، ص ۴۷

۵- مناقب آل ابی طالب، مصنفہ محمد ابن علی ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۶۲ اور ۲۱۸، مطبوعہ قم، غایت المرام، ص ۵۳۹، اور ینابیع المودۃ، ص ۱۰۴

حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جس کی مدت تقریباً چار سال نو ماہ تھی رسول اکرمؐ کی سیرت کی پیروی کی۔ آپ نے اپنی خلافت کو ایک تحریک اور انقلاب کی شکل دی اور کئی ایک اصلاحات نافذ کیں۔ قدرتی طور پر ان اصلاحات سے کئی ایک مفاد پرستوں کے مفادات خطرے میں پڑ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کے ایک گروہ نے (جس میں طلحہ اور زبیر جنہیں ام المومنین عائشہؓ کی حمایت حاصل تھی اور بالخصوص معاویہ پیش پیش تھے) تیسرے خلیفہ کے قتل کو بہانہ بنا کر آپ کی مخالفت شروع کردی اور بغاوت پر کمر بستہ ہوگئے۔

فتنہ وفساد کا قلع قمع کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے ایک جنگ بصرہ کے نزدیک طلحہ اور زبیر کے خلاف لڑی جس میں ام المومنین عائشہؓ بھی شریک تھیں۔ اسے جنگ جمل کہا جاتا ہے۔ آپ نے ایک اور جنگ عراق اور شام کی سرحد پر معاویہ کے خلاف لڑی جو ڈیڑھ سال جاری رہی یہ جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے نہروان کے مقام پر ایک جنگ خوارج[1] کے خلاف لڑی جو جنگ نہروان کہلاتی ہے لہٰذا حضرت علیؑ کی خلافت کا بیشتر وقت اندرونی مخالفت پر قابو پانے میں صرف ہوا۔ بالآخر ۱۹ رمضان المبارک ۴۰ھ کو صبح کے وقت جب آپ مسجد کوفہ میں نماز میں مشغول تھے، عبدالرحمن ابن ملجم نامی ایک خارجی نے آپ کو زخمی کردیا جس کے نتیجے میں ۲۱ رمضان المبارک کی رات کو آپ کی شہادت واقع ہوگئی[2]۔

حضرت علیؑ کے دوست اور دشمن دونوں اعتراف کرتے ہیں کہ انسانی کمال کے نقطہ نگاہ سے آپ میں کوئی خامی نہ تھی اور اسلامی فضائل کے لحاظ سے آپ رسول اکرمؐ کی تربیت کا کامل نمونہ تھے۔ جو بحثیں آپ کی شخصیت کے بارے میں کی گئی ہیں اور جتنی کتابیں اس موضوع پر سنی شیعہ اور دوسرے مذاہب کے علماء اور محققین نے لکھی ہیں اس کی نظیر تاریخ کی کسی اور شخصیت کے بارے میں نہیں ملتی۔

علم و دانش کے لحاظ سے حضرت علیؑ صحابہ رسولؐ اور دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں سب سے بلند مرتبہ تھے۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے علمی بیانات کے ذریعے اسلام میں منطق استدلال کا آغاز کیا اور معارف الٰہیہ پر فلسفیانہ بحث کی انہوں نے قرآن کے باطن کے بارے میں گفتگو کی اور اس کے متن کی حفاظت کے لئے عربی گرامر وضع فرمائی۔ وہ عربوں میں سب سے بلند پایہ خطیب تھے۔

۱۔ 'خوارج' جس کے لغوی معنی باہر نکل جانے والوں کے ہیں، ایک ایسے گروہ کا نام ہے جو جنگ صفین کے بعد حضرت علیؑ اور معاویہ دونوں کے مخالف ہوگئے تھے اور انہوں نے ایک انتہا پسند جماعت تشکیل دی جو حکومت وقت کے احکام نہیں مانتی تھی اور سنی اور شیعہ دونوں کی شدید مخالف تھی (مدیر)

۲۔ مناقب آل ابی طالب، ج ۳، ص ۳۱۲، الفصول المہمہ، ص ۱۱۳ تا ۱۳۳، اور تذکرۃ الخواص ص ۱۷۲ تا ۱۸۳

حضرت علیؑ کی شجاعت ضرب المثل تھی۔ ان تمام جنگوں میں جن میں انہوں نے رسول اکرمؐ کی زندگی میں یا ان کے بعد شرکت کی انہوں نے کبھی بھی کسی خوف یا اضطراب کا مظاہرہ نہیں کیا حالانکہ کئی ایک جنگوں سے مثلاً احد، حنین، خیبر اور خندق وغیرہ میں صحابہ اور اسلامی فوج کے سپاہی خوف کے مارے کانپ رہے تھے یا میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن حضرت علیؑ نے کبھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی۔ ایسا کوئی دلاور جنگجو ان کے مقابلے پر نہیں آیا جو اپنی جان سلامت لے گیا ہو۔ اس کے باوجود ان کی جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ کمزور دشمن کو ہرگز قتل نہیں کرتے تھے اور جو لوگ راہ فرار اختیار کرتے ان کا پیچھا نہیں کرتے تھے۔ وہ نہ تو شبخون مارتے تھے اور نہ ہی دشمن پر پانی بند کرتے تھے۔ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ انہوں نے جنگ خیبر میں جب قلعہ قاموس پر حملہ کیا تو اس کے دروازے کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔[۱] ایک ایسا ہی واقعہ اس دن پیش آیا جب فتح مکہ کے دن رسول اکرمؐ نے بتوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ ہبل مکہ کے بتوں میں سب سے بڑا بت تھا۔ یہ پتھر کا ایک بہت بڑا مجسمہ تھا۔ خانہ کعبہ کے اوپر نصب کیا گیا تھا۔ رسول اکرمؐ کے حکم کے مطابق حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے کندھے پر پاؤں رکھ کر خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور ہبل کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر نیچے لڑھکا دیا۔[۲]

حضرت علیؑ پارسائی اور اللہ کی عبادت میں بھی منفرد تھے۔ چند ایسے لوگوں کو جواب دیتے ہوئے جنہوں نے حضرت علیؑ کی سختی کی شکایت کی تھی رسول اکرمؐ نے فرمایا:

''علیؑ کی شکایت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں''۔[۳]

ایک صحابی ابو دردا نے مدینہ کے ایک نخلستان میں حضرت علیؑ کا بدن زمین پر پڑا ہوا دیکھا جو خشک لکڑی کی طرح اکڑا ہوا تھا۔ وہ حضرت علیؑ کے گھر گئے تاکہ ان کی زوجۂ گرامی قدر، دختر رسول اکرمؐ کو اطلاع دیں اور ان کے حضور اظہار تعزیت کریں۔ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا:

''میرے ابن عم (حضرت علیؑ) فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ کے خوف سے انہیں غش آ گیا ہے۔ ان کی یہ حالت اکثر ہو جاتی ہے''

حضرت علیؑ کی زیر دستوں پر مہربانی، بیچاروں سے ہمدردی اور حاجتمندوں اور غریبوں کے حق

۱- تذکرۃ الخواص، ص ۲۷ ۲- تذکرۃ الخواص، ص ۲۷، اور مناقب، خوارزمی، ص ۷۱

۳- مناقب ابی طالب، ج ۳، ص ۲۲۱، اور مناقب خوارزمی، ص ۹۲

میں سخاوت کے بارے میں بہت سے قصے مشہور ہیں۔ آپ جو کچھ میسر آتا غریبوں اور حاجتمندوں پر خرچ کردیتے اور خود بڑی کٹھن اور سادہ زندگی گزارتے۔ آپ کو زراعت سے بیحد لگاؤ تھا اور آپ اپنا زیادہ تر وقت کنویں کھودنے، درخت لگانے اور کھیتی باڑی کرنے میں گزارتے تاہم جن کھیتوں میں آپ کاشت کرتے اور جو کنویں کھودتے انہیں غریبوں کے لئے وقف کردیتے۔ آپ کے اوقاف ''صدقات علیؑ'' کے نام سے مشہور تھے اور آپ کے عہد کے آخری ایام میں ان سے چوبیس ہزار طلائی دینار کی معقول آمدنی ہوتی تھی ۱۔

دوسرے امام

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام دوسرے امام تھے۔ وہ اور ان کے بھائی امام حسینؑ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور دختر رسولؐ حضرت فاطمہؑ کے فرزند تھے۔ رسول اکرمؐ نے کئی دفعہ فرمایا: ''حسنؑ اور حسینؑ میرے بیٹے ہیں''۔ اسی بنا پر حضرت علیؑ اپنے دوسرے فرزندوں سے فرمایا کرتے تھے: ''تم میرے فرزند ہو اور حسنؑ اور حسینؑ رسول اللہؐ کے فرزند ہیں''۔ ۲

امام حسنؑ ہجرت کے تیسرے سال مدینہ میں پیدا ہوئے ۳ اور ان کا سات سال سے کچھ زیادہ عرصہ اپنے جد بزرگوار رسول اکرمؐ کی آغوش محبت میں گزرا۔ آنحضرتؐ کے وصال اور حضرت فاطمہؑ کی رحلت کے بعد جس کی درمیانی مدت تین یا چھ ماہ سے زیادہ نہیں تھی۔ امام حسنؑ براہ راست اپنے والد بزرگوار کی زیر تربیت آگئے۔

اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد امام حسنؑ اللہ کے حکم اور حضرت علیؑ کی وصیت کے مطابق منصب امامت پر فائز ہوئے اور ظاہری خلافت بھی سنبھالی۔ آپ نے چھ ماہ تک مسلمانوں کے امور کی سرپرستی فرمائی۔ اس دوران امیر شام معاویہ نے جو حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کے سخت مخالف تھے اور جنہوں نے کئی سال تک شروع میں تیسرے خلیفہ کے قتل کے قصاص کے بہانے اور بعد میں خلافت کے دعویدار کی حیثیت سے حضرت علیؑ سے لڑائیاں لڑی تھیں، اپنی فوج عراق میں اتاردی

۱۔ نہج البلاغہ، ص ۱۷۱، ترجمہ مفتی جعفر حسین ۲۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۲۱ اور ۲۵، اور ذخائر العقبیٰ، ص ۶۷ اور ۱۲۱

۳۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۲۸، دلائل الامامت، تالیف محمد بن جریر طبری، مطبوعہ نجف ۱۳۶۹ھ، ص ۶۰، الفصول المہمہ، ص ۱۳۳، تذکرۃ الخواص، ص ۱۹۳، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۰۴، مطبوعہ نجف ۱۳۱۴ھ اور اصول کافی، ج ۱ ص ۴۶۱، ارشاد مفید، ص ۱۷۲، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۳۳، اور الفصول المہمہ، ص ۱۴۴

جہاں امام حسنؑ کی خلافت قائم تھی۔ نتیجتاً جنگ چھڑ گئی جس کے دوران معاویہ نے بتدریج امام حسنؑ کی فوج کے سرداروں کو بھاری رقموں اور پرکشش وعدوں کے عوض خرید لیا حتیٰ کہ امام حسن علیہ السلام کی فوج نے آپ کے خلاف بغاوت کر دی۔[۱]

بالآخر امام حسن علیہ السلام امیر شام معاویہ سے صلح کرنے اور خلافت سپرد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ عہد نامۂ صلح میں یہ شرائط بھی شامل تھیں کہ معاویہ کے بعد خلافت دوبارہ امام حسنؑ کو لوٹا دی جائے گی اور ان کے خاندان اور حمایتیوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔[۲]

یوں امیر شام نے اسلامی خلافت پر قبضہ کر لیا اور عراق میں اپنا عمل دخل کر لیا عوام کے ایک مجمع میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے رسمی طور پر صلح کی شرائط کو کالعدم قرار دیا[۳] اور اہل بیت رسولؐ اور شیعوں پر ہر ممکن طریقے سے سختی کی۔ امام حسنؑ نے اپنی امامت کے دس سال انتہائی تکلیف اور پریشانی میں گزارے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں بھی محفوظ نہ تھے۔ ۵۰ھ میں انہیں ان کی بیوی نے زہر دیکر شہید کر دیا۔ جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے کہ انہیں اس کام پر امیر شام نے آمادہ کیا۔[۴]

انسانی کمالات میں امام حسنؑ اپنے والد کی یادگار اور اپنے جد بزرگوار کا کامل نمونہ تھے۔ رسول اکرمؐ جب تک زندہ رہے امام حسنؑ اور ان کے بھائی (امام حسینؑ) ان کی آغوش محبت میں رہے اور بعض اوقات آنحضرتؐ انہیں اپنے کندھوں پر بھی سوار کرتے تھے۔ سنی اور شیعہ دونوں ذرائع نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بارے میں آنحضرتؐ کی یہ حدیث روایت کی ہے:

''میرے یہ دونوں فرزند امام ہیں خواہ وہ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں''۔ (اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خواہ انہیں ظاہری خلافت حاصل ہو یا نہ ہو)[۵]

علاوہ ازیں امام حسنؑ کے اپنے والد بزرگوار کے بعد منصب امامت پر فائز ہونے کے بارے میں رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ سے بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں۔

۱- ارشاد مفید، ص ۱۷۲، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۳۳، الامامۃ والسیاسۃ، مصنفہ عبد اللہ ابن مسلم ابن قتیبہ، ج ۱ ص ۱۶۳، الفصول المہمہ، ص ۱۴۵، اور تذکرۃ الخواص، ص ۱۹۷

۲- ارشاد، ص ۱۷۳، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۵، اور الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۱۶۳

۳- ارشاد، ص ۱۷۴، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۴۲، الفصول المہمہ، ص ۱۴۶، اور تذکرۃ الخواص، ص ۲۱۱

۴- ارشاد، ص ۱۸۱، اور اثبات الہداۃ، ج ۵، ص ۱۲۹ اور ۱۳۴

۵- ارشاد مفید، ص ۱۷۲، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۳، الامامۃ والسیاسۃ، مصنفہ عبد اللہ ابن مسلم ابن قتیبہ، ج ۱ ص ۱۶۳، الفصول المہمہ، ص ۱۴۵، اور تذکرۃ الخواص، ص ۱۹۷

تیسرے امام

سید الشہداء امام حسینؑ تیسرے امام تھے۔ آپ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے فرزند تھے۔ آپ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی حسن مجتبیٰؑ کی شہادت پر امر خداوندی اور اپنے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق امام بنے [۱] آپ کی امامت کی مدت دس سال تھی جو آخری تقریباً چھ ماہ کے علاوہ ساری کی ساری معاویہ کے عہد میں گزری۔ آپ نے یہ دن انتہائی تکلیف میں گزارے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو دینی احکام اور دین اپنا وزن اور اعتبار کھو بیٹھے تھے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی جگہ اموی حکومت کی خواہشات اور احکام نے لے لی تھی اور دوسرے معاویہ اور ان کے حامی اہلبیتؑ اور ان کے حامیوں کو کچلنے اور علیؑ اور ان کے اہل خاندان کا نام ونشان مٹانے کی کوششوں میں مصروف تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معاویہ اپنے بیٹے یزید کی خلافت کی بنیاد مستحکم کرنا چاہتے تھے حالانکہ بہت سے لوگ یزید کے گھٹیا کردار کی بنا پر اس تجویز پر خوش نہیں تھے۔ چنانچہ معاویہ نے یزید کی مخالفت کا قلع قمع کرنے کے لئے زیادہ سختی شروع کردی تھی اور نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے تھے۔

امام حسینؑ بہ امر مجبوری یہ دن کسی نہ کسی طرح گزار رہے تھے اور معاویہ اور اس کے حامیوں کا تشدد اور سخت گیری برداشت کررہے تھے حتیٰ کہ ۶۰ ہجری میں معاویہ کی موت واقع ہوگئی اور یزید نے ان کی جگہ سنبھالی [۲]۔

''بیعت'' عرب کی ایک قدیم روایت تھی جو اہم کاموں مثلاً بادشاہت یا امارت کے سلسلے میں لی جاتی تھی۔ رعایا کے افراد اور بالخصوص سربرآوردہ اشخاص بیعت کرکے بادشاہ یا امیر کی اطاعت کا اقرار کرتے تھے اور یوں اس کے افعال کی تائید کرتے تھے۔ بیعت کرنے کے بعد بادشاہ یا امیر کی مخالفت کرنا باعث شرم سمجھا جاتا تھا اور یہ ایسا ہی تھا جیسے کہ کوئی شخص ایک قطعی پیمان کرکے اس کی خلاف ورزی کرے اور اسے جرم تصور کیا جاتا تھا۔ رسول اکرمؐ کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگر بیعت مجبور ہوکر نہیں بلکہ اپنی مرضی اور اختیار سے کی جائے تو معتبر ہے۔

معاویہ نے ممتاز لوگوں کو یزید کی بیعت کرنے کے لیے کہا تھا لیکن اس نے امام حسینؑ کو اس پر

۱۔ ارشاد، ص ۲۲۷، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۵۳، اور الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۲۳

۲۔ ارشاد، ص ۲۲۷، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۲۳، الفصول المہمہ، ص ۱۶۳، اور تذکرۃ الخواص، ص ۲۱۱

مجبور نہیں کیا تھا[1] اس نے بالخصوص اپنی آخری وصیت میں یزید سے کہا تھا کہ اگر امام حسینؑ بیعت سے انکار کریں تو انہیں مجبور نہ کرے بلکہ خاموشی اور چشم پوشی سے کام لے۔ اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اگر امام حسین علیہ السلام پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالا گیا تو اس کے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ تاہم یزید نے اپنی خود پسندی اور ناعاقبت اندیشی کی بناپر اپنے باپ کی وصیت کو نظر انداز کردیا اور اس کی موت کے فوراً بعد مدینہ کے گورنر کو حکم بھیجا کہ امام حسینؑ کو بیعت کرنے پر مجبور کرے یا ان کا سرکاٹ کر دمشق بھیج دے[2]۔

جب والیٔ مدینہ نے امام حسینؑ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے مہلت مانگی اور پھر راتوں رات اپنے اہل خاندان کے ساتھ مکہ روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی جسے اسلام میں رسمی طور پر دارالامان تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ ۶۰ ہجری کے ماہ رجب کے آخری دنوں میں اور ماہ شعبان کے شروع میں پیش آیا۔ امام حسینؑ تقریباً چار ماہ تک مکہ میں پناہ لیے رہے اور یہ خبر ساری اسلامی دنیا میں پھیل گئی۔ ایک طرف تو ان لوگوں نے جو معاویہ کی غیر عادلانہ حکومت سے بیزار تھے اور یزید کے خلیفہ بننے پر اور زیادہ برداشتہ ہوگئے تھے، امام حسینؑ سے رابطہ قائم کیا اور ان سے اظہار ہمدردی کیا اور دوسری طرف مختلف جگہوں سے اور خاص کر عراق سے اور بالخصوص عراق کے شہر کوفہ سے امام حسین علیہ السلام کو بیشمار خط لکھے گئے۔ جن میں آپ سے استدعا کی گئی تھی کہ وہاں آکر لوگوں کی قیادت سنبھالیں تاکہ ظلم اور ناانصافی کا قلع قمع کرنے کے لئے تحریک کی ابتداء کی جاسکے۔ بلاشبہ یہ صورت یزید کے لئے خطرناک تھی۔

امام حسینؑ مکہ میں ہی مقیم رہے حتیٰ کہ حج کا وقت آگیا اور ہر گوشے سے مسلمان مناسک حج ادا کرنے کے لئے گروہ در گروہ وہاں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ اس دوران میں آپ کو اطلاع ملی کہ یزید کے کچھ سپاہی حاجیوں کے بھیس میں مکہ پہنچ گئے ہیں اور رسوم حج کی ادائیگی کے وقت اپنے احرام میں چھپائے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعے آپ کو قتل کردینا چاہتے ہیں۔[3]

یہ اطلاع ملنے پر امام حسینؑ نے مناسک حج مختصر کرکے مکہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ وہ اٹھے اور لوگوں کے جم غفیر کے سامنے ایک مختصر تقریر میں اپنی عراق کی جانب روانگی کا اعلان فرمایا[4] انہوں

۱- ارشاد، ص ۱۸۱، اور اثبات الہداۃ، ج ۵، ص ۱۲۹ اور ۱۳۴

۲- ارشاد، ص ۱۷۹، اثبات الہداۃ، ج ۵، ص ۱۶۸ تا ۲۱۲، اور اثبات الوصیۃ مسعودی، ص ۱۲۵، مطبوعہ تہران ۱۳۲۰ھ

۳- ارشاد، ص ۱۸۲، تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۲۶ تا ۲۲۸، اور الفصول المہمہ، ص ۱۶۳ ۴- مناقب، ابن شہرآشوب، ج ۴، ص ۸۸

نے اس مختصر خطاب میں یہ بھی بتایا کہ وہ شہید ہو جائیں گے اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے ان کی مدد کریں اور اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کریں۔ اس سے اگلے دن اپنے اہل خاندان اور ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ عراق روانہ ہو گئے۔

امام حسینؑ نے طے کر رکھا تھا کہ وہ یزید کی بیعت نہیں کریں گے اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ شہید کر دیے جائیں گے۔ انہیں علم تھا کہ بنی امیہ کی دہشت ناک فوجی طاقت جسے عام بے راہ روی اور ذہنی انحطاط اور عوام میں اور بالخصوص اہل عراق میں جرأت کے فقدان کی تائید حاصل تھی انہیں ختم کر دے گی۔ مکہ کے کچھ سربر آوردہ اشخاص نے انہیں روکنے کی کوشش کی اور اس سفر اور تحریک کے خطرات سے آگاہ کیا لیکن امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

"میں بیعت نہیں کروں گا اور ظالم اور ستمگر حکومت کو تسلیم نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں جہاں بھی جاؤں گا اور جس جگہ بھی ہوں گا مجھے قتل کر دیا جائے گا۔[۱] میں مکہ اس لیے چھوڑ رہا ہوں تاکہ میرا خون بہنے سے اللہ کے گھر کی حرمت پامال نہ ہو"۔

امام علیہ السلام کوفہ روانہ ہوئے۔ ابھی آپ راستے میں ہی تھے اور کوفہ تک چند دن کا سفر باقی تھا کہ آپ کو اطلاع ملی کہ کوفہ میں یزید کے والی نے آپ کے نمائندے کو اور شہر کے ایک اور سرکردہ شخص کو جو آپ کا مخلص و حامی تھا قتل کرا دیا ہے اور ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر ان کی لاشیں گلیوں میں گھسیٹی گئی ہیں۔[۲] آپ کو یہ بھی پتا چلا کہ شہر اور اس کے گرد و نواح کی سخت نگرانی کی جا رہی ہے اور دشمن کے لاتعداد سپاہی آپ کے انتظار میں ہیں اور آپ کے لیے قتل ہو جانے کے علاوہ ور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ اسی موقع پر امام علیہ السلام نے شہید ہو جانے کا قطعی فیصلہ کر لیا اور اپنا سفر جاری رکھا۔[۳]

کوفہ سے تقریباً ستر کیلومیٹر دور واقع ایک بیابان میں جس کا نام کربلا ہے۔ یزید کی فوج نے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ہمراہیوں کو گھیر لیا۔ انہوں نے یہاں آٹھ دن قیام کیا۔ اس دوران محاصرہ دن بدن تنگ ہوتا گیا اور دشمن کی تعداد بڑھتی گئی۔ بالآخر امام علیہ السلام، آپ کے اہل خاندان اور آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں کو تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج نے گھیرے میں لے لیا۔[۴] ان

۱- مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۸۸، ارشاد، مفید، ص ۱۸۲، الامامتہ والسیاستہ، ج ۱، ص ۲۰۳، تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۲۹، الفصول المہمہ، ص ۱۶۳، اور تذکرۃ الخواص، ص ۲۳۵

۲- ارشاد، ص ۲۰۱

۳- مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۸۹

۴- ارشاد، ص ۲۰۱، الفصول المہمہ، ص ۱۶۸

دنوں میں آپ نے اپنی حالت مستحکم کی اور اپنے ساتھیوں کا قطعی انتخاب کیا۔ رات کے وقت آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور مختصر تقریر کے دوران فرمایا:

'' اب ہمارے لیے موت اور شہادت کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا اور دشمن میرے علاوہ کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے لہٰذا میں تم لوگوں سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں۔ جو شخص چاہے وہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر جا سکتا ہے اور اپنی جان بچا سکتا ہے''۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا چراغ گل کر دیے جائیں۔ پھر آپ کے بہت سے ساتھی جو مادی منفعت کی امید پر آپ کے ساتھ ہو لیے تھے، چلے گئے اور حق کے شیدائیوں کی ایک مختصر جماعت (جن کی تعداد تقریباً چالیس تھی) اور بنی ہاشم کے کچھ افراد کے علاوہ آپ کے ساتھ کوئی نہ رہا۔[۱]

جو لوگ باقی رہ گئے تھے امام حسین علیہ السلام نے انہیں ایک دفعہ پھر جمع کیا، اور ان کا امتحان لیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں اور ہاشمی قرابت داروں سے خطاب فرمایا اور دوبارہ کہا کہ دشمن کو میرے علاوہ کسی سے سروکار نہیں اور تم میں سے جو چاہے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ تاہم اس دفعہ بھی امام علیہ السلام کے باوفا ساتھیوں نے مختلف الفاظ میں جواب دیا کہ:

'' ہم ہرگز اس راہ حق سے منہ نہیں موڑیں گے جس کے آپ پیشوا ہیں اور آپ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک ہمارے بدنوں میں خون کا آخری قطرہ باقی ہے اور تلوار کا قبضہ ہاتھ میں ہے ہم آپ کا اور آپ کے خاندان کا دفاع کریں گے''۔[۲]

ماہ محرم کے نویں دن امام علیہ السلام کو دشمن کی طرف سے آخری چیلنج (بیعت یا جنگ) دیا گیا۔ امام علیہ السلام نے رات بھر عبادت کے لیے مہلت مانگی اور دوسرے دن قطعی جنگ لڑنے کا ارادہ کر لیا۔[۳]

محرم ۶۱ ہجری (بمطابق ۶۸۰ میلادی) کے دسویں دن (یوم عاشورہ) امام حسینؑ اپنی مختصر سی جماعت کے ساتھ دشمن کی بیکراں فوج کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے۔ آپ کے ساتھیوں کی تعداد نوے سے بھی کم تھی۔ ان میں آپ کے سابقہ چالیس ساتھی اور دشمن کی فوج کے تقریباً تیس سپاہی جو جنگ کی رات اور دن میں آپ سے آ ملے تھے، شامل تھے اور ان کے علاوہ آپ کے فرزندوں،

۱- مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۹۸ ۲- مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۹۹، ارشاد، ص ۲۱۴
۳- مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۹۸، ارشاد، ص ۲۱۴

بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور چچا زاد بھائیوں پر مشتمل ہاشمی قرابتدار تھے۔ اس دن انہوں نے صبح کے وقت جنگ شروع کی اور آخری دم تک لڑتے رہے حتیٰ کہ امام حسینؓ، تمام ہاشمی نوجوان اور امامؑ کے دوسرے تمام ساتھی شہید ہوگئے (ہائے افسوس! کہ ان ظالموں کو بچوں پر بھی رحم نہ آیا اور انہوں نے امام حسنؓ کے دو خورد سال فرزندوں اور امام حسینؓ کے ایک خورد سال اور ایک شیر خوار بچے کو بھی تیغ ستم سے گھائل کردیا۔)

جنگ کے خاتمے پر دشمن کی فوج نے امام حسینؓ کے حرم کو لوٹ لیا اور ان کے خیمے جلادیے۔ انہوں نے شہداء کے سرکاٹ لیے، ان کے لباس اتار لیے اور بغیر دفن کیے انہیں میدان میں پڑا رہنے دیا۔

پھر وہ حرم امامؑ کو ساتھ لے کر جو بیکس عورتوں اور لڑکیوں پر مشتمل تھا اور شہداء کے سر اٹھائے ہوئے کوفہ روانہ ہوگئے۔ اسیروں میں کل تین مرد تھے۔ ان میں ایک تو امام حسینؓ کے بائیس سالہ فرزند علیؓ ابن حسینؓ یعنی چوتھے امام تھے جو اس وقت بیحد علیل تھے۔ دوسرے علیؓ ابن حسینؓ کے چا رسالہ فرزند محمد بن علیؓ تھے جو بعد میں پانچویں امام بنے اور تیسرے امام حسنؓ کے فرزند اور امام حسینؓ کے داماد حسن مثنیٰ تھے جو جنگ میں زخمی ہوگئے تھے اور مقتولین کے درمیان گرے ہوئے تھے۔ جب دشمنوں کی نظران پر پڑی تو وہ قریب المرگ تھے لیکن ایک سالار فوج کی سفارش پر انہوں نے ان کا سرنہیں کاٹا بلکہ قیدی بنا کر پہلے کوفہ اور پھر یزید کے پاس دمشق لے گئے۔

کربلا کا واقعہ اور اہل بیتؑ کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر شہر بہ شہر پھرانا اور جو تقریریں حضرت علیؓ کی دختر زینبؓ اور چوتھے امام نے (جوکہ قیدیوں میں شامل تھے) کوفہ اور شام میں کیں، ان سب چیزوں نے بنی امیہ کو رسوا کردیا اور امیر شام نے سالہا سال تک جو پروپگنڈا کیا تھا اس پر پانی پھر گیا۔ حالات اتنے نازک ہوگئے کہ یزید کو اپنے کارندوں کے فعل سے کھلے عام بیزاری کا اعلان کرنا پڑا۔ واقعہ کربلا بنی امیہ کے زوال کا اہم سبب ثابت ہوا۔ گواسکے موثر ہونے میں کچھ تاخیر ہوگئی، لیکن اس واقعہ نے حقانیت کی جڑیں مضبوط کردیں۔ اس کا فوری نتیجہ وہ بغاوتیں اور شورشیں تھیں جو خونریز جنگوں کے ساتھ ساتھ بارہ سال کی مدت تک جاری رہیں۔ جن لوگوں نے امامؑ کے قتل میں حصہ لیا تھا ان میں سے ایک بھی سزا اور انتقام سے نہ بچ سکا۔

اگر اما حسینؓ اور یزید کے حالات زندگی اور اس زمانے کے حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے اور تاریخ اسلام کے اس دور کا تجزیہ کیا جائے تو اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ ان

حالات میں امام حسینؑ کے لیے بجز جام شہادت نوش کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا یزید کی بیعت کرنے کے یہ معنی ہوتے کہ امام حسین علیہ السلام اسلام سے کھلم کھلا بیزاری کا اعلان کر رہے ہیں اور یہ آپ کے لیے ہرگز ممکن نہ تھا کیونکہ یزید نہ صرف یہ کہ اسلام اور اس کے احکام کا کوئی احترام نہ کرتا تھا بلکہ اس نے کمال دیدہ دلیری سے اس کے اصول اور قوانین کو کھلے عام پامال کرنے کا مظاہرہ بھی کیا تھا۔ اس کے پیشرو اگر دینی احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے تھے تو دین کا لبادہ اوڑھ کر کرتے تھے اور کم از کم ظاہری طور پر دین کا احترام کرتے تھے اور رسول اکرمؐ اور عوام کی نظروں میں محترم بعض دینی شخصیتوں کے ساتھی ہونے پر فخر کرتے تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ان واقعات کے بعض مفسرین کا یہ کہنا غلط ہے کہ دو بھائیوں یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا مزاج الگ الگ تھا اور ان میں سے ایک نے صلح اور دوسرے نے جنگ کا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ جہاں ایک نے چالیس ہزار کا لشکر ہوتے ہوئے معاویہ سے صلح کرلی وہاں دوسرے نے چالیس آدمیوں کے دستے کے ساتھ یزید سے جنگ کی۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ امام حسین جس نے ایک دن کے لئے بھی یزید کی بیعت سے انکار کردیا، منصب امامت پر فائز ہونے کے بعد دس سال معاویہ کے عہد حکومت میں اس کی مخالفت کیے بغیر گزارے جیسے کہ اس سے پیشتر ان کے بھائی نے دس سال گزارے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر امام حسنؑ معاویہ کے خلاف جنگ کرتے تو وہ شہید ہوجاتے لیکن ان کی شہادت سے اسلام کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔ معاویہ ایک ہوشیار سیاستداں تھے جو اپنے صحابی رسول، کاتب وحی اور خال المومنین ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور اپنی حکومت کو مذہبی رنگ دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے چنانچہ معاویہ کی بظاہر دیندارانہ روش کی بنا پر ان کی (یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ) کی شہادت کی کوئی وقعت نہ ہوتی۔ علاوہ ازیں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے انہیں ملکہ حاصل تھا اس سے بعید نہ تھا کہ انہیں انہی کے ہوا خواہوں کے ہاتھوں قتل کرادیا جاتا اور پھر ان کا ماتم کیا جاتا اور ان کے خون کے قصاص کا دعویٰ کیا جاتا جیسا کہ تیسرے خلیفہ کے قتل کے سلسلے میں کیا تھا۔

چوتھے امام

چوتھے امام حضرت علی بن حسینؑ تھے جو زین العابدینؑ اور سجادؑ کے القاب سے مشہور ہیں۔ وہ تیسرے امام اور شاہ ایران یزدگرد کی دختر حضرت شہر بانو (شاہ زناں) کے فرزند تھے۔ وہ امام حسینؑ کے واحد فرزند تھے جو زندہ بچے کیونکہ ان کے باقی تین بھائی نوجوان علی اکبرؑ خورد سال جعفر اور شیر

خوار علی اصغر (عبد اللہ) سانحہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ [۱]

اس سفر میں جس کا نتیجہ فاجعہ کربلا کی شکل میں نکلا امام سجادؑ بھی اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ تھے لیکن چونکہ آپ شدید طور پر علیل تھے اور ہتھیار باندھ کر لڑنے کے قابل نہ تھے اس لئے آپ کے جہاد میں شریک ہو کر جام شہادت نوش کرنے کی نوبت نہ آئی اور آپ کو خواتین کے ہمراہ دمشق لے جایا گیا۔ آپ نے کچھ مدت وہاں اسیری کی حالت میں گزاری لیکن بعد میں آپ کو عزت واحترام کے ساتھ مدینہ واپس بھیج دیا گیا کیونکہ یزید رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنا چاہتا تھا۔ آپ کو اموی خلیفہ عبد الملک کے حکم سے ایک دفعہ پھر بیڑیوں میں جکڑ کر مدینہ سے شام لے جایا گیا اور پھر مدینہ واپس کر دیا گیا۔ [۲]

مدینہ واپس آنے پر امام سجادؑ نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ وہ اپنا بیشتر وقت عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ تاہم آپ نے چند ایک شیعہ اکابرین مثلاً ابو حمزہ ثمالی اور ابو خالد کابلی سے رابطہ قائم رکھا۔ یہ لوگ دینی علوم امام علیہ السلام سے حاصل کرتے تھے اور اہل تشیع تک پہنچا دیتے تھے۔ اس طرح شیعیت کو کافی فروغ حاصل ہوا اور اس کا اثر پانچویں امامؑ کے زمانے میں ظاہر ہوا۔

چوتھے امامؑ نے دعاؤں کا ایک مجموعہ چھوڑا ہے جسے ''صحیفہ سجادیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس میں ستاون دعائیں ہیں جو دقیق ترین معارف الٰہیہ پر مشتمل ہیں۔ اسے ''زبور آل محمدؐ'' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ امام سجاد علیہ السلام ۳۵ سال منصب امامت پر فائز رہنے کے بعد ۹۵ ہجری (بمطابق ۷۱۲ میلادی) میں فوت ہوئے (کچھ شیعہ روایات کے مطابق اموی خلیفہ ہشام کی تحریک پر ولید بن عبد الملک نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا)۔ [۳]

پانچویں امام

پانچویں امام حضرت محمد بن علی الباقرؑ تھے جو چوتھے امام کے فرزند تھے (باقر کے معنی پھاڑنے والے کے ہیں اور یہ لقب آپ کو رسول اللہؐ نے دیا تھا) [۴] آپ ۵۷ ہجری (بمطابق ۶۷۵ میلادی) میں پیدا ہوئے۔ آپ واقعہ کربلا کے موقع پر موجود تھے اور اس وقت آپ کی عمر چار سال تھی۔ آپ اپنے

۱۔ مقاتل الطالبین، ص ۵۲ اور ۵۹ ۔ ۲۔ تذکرۃ الخواص، ص ۳۲۴، اثبات الہداۃ، ج ۵، ص ۲۴۲

۳۔ مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۷۶، دلائل الامامۃ، ص ۸۰، الفصول المہمہ، ص ۱۹۰

۴۔ ارشاد، مفید، ص ۲۴۶، الفصول المہمہ، ص ۱۹۳، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۹۷

والد بزرگوار کے بعد امر الٰہی اور اپنے پیشروؤں کی وصیت کے مطابق منصب امامت پر فائز ہوئے۔ آپ کی وفات ۱۱۴ ہجری (بمطابق ۷۳۲ میلادی) میں ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق اموی خلیفہ ہشام کے بھتیجے ابراہیم ابن ولید ابن عبد اللہ نے آپ کو زہر دیکر شہید کیا۔[۱]

امام باقرؑ کے دور امامت میں بنی امیہ کے مظالم کی وجہ سے آئے دن اسلامی دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں بغاوتیں اور لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ علاوہ ازیں بنی امیہ میں باہمی اختلافات بھی تھے جن کی بنا پر خلیفہ اپنے معاملات میں مصروف رہتے تھے اور کسی حد تک اہل بیتؑ رسول کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے۔ دوسری جانب سانحۂ کربلا اور اہل بیتؑ پر ڈھائے گئے مظالم کی بنا پر لوگ ائمہ کی جانب مائل ہو رہے تھے۔ ان عوامل کی بنا پر عوام اور بالخصوص اہل تشیع کے لئے ممکن ہوگیا کہ جوق در جوق مدینہ آئیں اور پانچویں امام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انہیں حقائق اسلام اور علوم اہل بیتؑ کی اشاعت کے لئے وہ مواقع نصیب ہوئے جو ان سے پہلے کسی امام کو میسر نہیں آئے تھے۔ کثیر احادیث جو پانچویں امامؑ سے روایت کی گئی ہیں اور بہت سے علماء اور شیعہ محققین جنہوں نے ان سے تربیت حاصل کی اس حقیقت کا بین ثبوت ہیں۔ ان کے نام مشاہیر اسلام کی سوانح حیات کی کتابوں میں درج ہیں۔[۲]

چھٹے امام

چھٹے امام حضرت جعفر بن محمد الصادقؑ پانچویں امامؑ کے فرزند ہیں۔ آپ ۸۳ھ (بمطابق ۷۰۲ میلادی) میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ (بمطابق ۷۶۵ میلادی) میں فوت ہوئے۔ شیعہ روایات کے مطابق عباسی خلیفہ منصور کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں آپ کو زہر دیکر شہید کیا گیا۔ وہ اپنے والد بزرگوار کی وفات پر امر الٰہی اور اپنے پیشروؤں کی وصیت کے مطابق منصب امامت پر فائز ہوئے۔

چھٹے امامؑ کو اپنے دور امامت میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لیے بہتر مواقع اور سازگار فضا میسر تھی۔ یہ صورت اسلامی ممالک میں بغاوتوں اور بالخصوص "مسودہ" کی جانب سے بنی امیہ کی حکومت ختم کرنے کے لئے بغاوت سے اور ان خونریز جنگوں سے پیدا ہوئی جن کے نتیجے میں بنی امیہ

۱- اصول الکافی، ج ۱، ص ۴۶۹، ارشاد، ص ۲۴۵، الفصول المہمہ، ص ۲۰۲، ۲۰۳، تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۶۳، تذکرۃ الخواص، ص ۳۴۰، دلائل الامامۃ، ص ۹۴، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۲۱۰

۲- ارشاد، ص ۲۴۵ تا ۲۵۳، نیز دیکھئے کتاب رجال کشی، مصنف محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی، مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۷ھ، کتاب الرجال الطوسی، مصنف محمد ابن حسن طوسی، مطبوعہ نجف ۱۳۸۱ھ، کتاب فہرست طوسی، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۸۱ھ، اور سوانح حیات پر دوسری کتابیں۔

کی خلافت ختم ہوگئی شیعہ تعلیمات کی اشاعت کے بہتر مواقع اس لیے بھی میسر آئے کہ پانچویں امامؑ نے اپنے بیس سالہ دور امامت میں اسلام کی صحیح تعلیمات اور اہل بیت رسولؐ کے علوم کی تبلیغ کے ذریعے اس مقصد کے لئے میدان ہموار کردیا تھا۔

امام صادقؑ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دینی علوم کی اشاعت اپنے دور امامت کے آخری ایام تک جاری رکھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوا اور بنی عباس کی خلافت کا آغاز ہوا۔ آپ نے بہت سی علمی شخصیتوں مثلاً زرارہ، محمد بن مسلم، مومن طاق، ہشام بن حکم، ابان بن تغلب، ہشام بن سالم، حریز، ہشام کلبی نسابہ، جابر بن حیان وغیرہ کی مختلف عقلی اور نقلی علوم میں تربیت کی حتیٰ کہ کچھ معروف سنی علماء مثلاً سفیان ثوری، حنفی مسلک کے بانی ابو حنیفہ، قاضی سکونی اور قاضی ابوالبختری وغیرہ نے بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے حلقۂ درس سے چار ہزار محدث اور دوسرے علوم کے ماہر فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔[1]

جو احادیث پانچویں اور چھٹے امامؑ سے ہم تک پہنچی ہیں ان کی تعداد رسول اکرمؐ اور دوسرے تمام اماموں سے روایت کی گئی تمام احادیث سے زیادہ ہے۔ تاہم امامؑ کی زندگی کے آخری ایام میں آپ پر عباسی خلیفہ منصور نے سخت پابندیاں عائد کردیں۔ اس خلیفہ نے علوی سادات پر اتنی سختی کی اور انہیں اس بے رحمی سے قتل کیا کہ اس سفاکی کے سامنے بنی امیہ کے مظالم بھی ماند پڑگئے۔ اس نے انہیں گروہ در گروہ قتل کیا اور کال کوٹھریوں میں بند کرکے اس وقت تک ایذائیں دیں جب تک ان کی موت واقع نہیں ہوگئی۔ بعض کی گردن ماردی گئی بعض کو زندہ دفن کردیا گیا اور کئی ایک کو عمارتوں کی بنیادوں اور دیواروں میں چن دیا گیا۔

اموی خلیفہ ہشام نے حکم دیا تھا کہ چھٹے امام کو گرفتار کرکے دمشق لایا جائے بعد میں عباسی خلیفہ السفاح نے آپ کو گرفتار کرکے عراق بلوایا اور بالآخر منصور نے آپ کو دوبارہ گرفتار کرکے سامرہ بلوایا اور اپنی زیر نگرانی رکھا۔ آپ کے ساتھ منصور کا رویہ جابرانہ اور ہتک آمیز تھا اور اس نے کئی دفعہ آپ کو شہید کرنے کے بارے میں سوچا۔[2]

بالآخر آپ کو مدینہ واپس جانے دیا گیا۔ جہاں آپ نے اپنے ایام گوشہ نشینی میں گزارے حتیٰ کہ

۱۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۴۷۲، دلائل الامامۃ، ص ۱۱۱، ارشاد، ص ۲۵۴، تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۱۱۹، الفصول المہمہ، ۲۱۲، تذکرۃ الخواص، ۳۳۶، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۲۸۰ ۲۔ ارشاد، ص ۲۵۴، الفصول المہمہ، ص ۲۰۴، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۲۴۷

منصور کی سازش سے آپ کو زہر دیکر شہید کردیا گیا۔[۱]

جب منصور کو امامؑ کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس نے مدینہ کے والی کو خط لکھا اور ہدایت کی کہ امامؑ کے گھر جائے اور ان کے اہل خانہ سے تعزیت کے بہانے ان کا وصیت نامہ حاصل کر کے پڑھے اور اگر امامؑ نے کسی کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو اسی وقت اس کی گردن اڑا دے۔ یہ حکم دینے سے بلاشبہ منصور کا مقصد یہ تھا کہ امامت کا سلسلہ ختم کردے اور شیعیت کی شمع مکمل طور پر گل کردے تاہم اس کے منصوبے کے برعکس جب والئی مدینہ نے اس کے حکم کے مطابق وصیت نامہ پڑھا تو اسے معلوم ہوا کہ امامؑ نے اپنی وصیت پر عملدرآمد کے لئے چار اشخاص یعنی خود خلیفہ اور والئی مدینہ اور اپنے بڑے بیٹے عبداللہ افطح اور چھوٹے بیٹے موسیٰؑ کو نامزد کیا ہے۔ یوں منصور یہ ناکام ہوگیا۔[۲]

ساتویں امام

ساتویں امام حضرت موسیٰ الکاظمؑ چھٹے امام کے فرزند تھے۔ آپ ۱۲۸ھ (بمطابق ۷۴۴ میلادی) میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳ ہجری میں قید خانے میں زہر خورانی کی وجہ سے شہید ہوئے۔[۳] آپ اپنے والد بزرگوار کی شہادت پر امر الٰہی اور اپنے آباء واجداد کی وصیت کے مطابق منصب امامت پر فائز ہوئے۔

ساتویں امامؑ عباسی خلفاء منصور ہادی، مہدی اور ہارون کے ہمعصر تھے۔ انہوں نے اپنا وقت سخت تقیہ کی حالت میں بڑی تکلیف اور پریشانی میں گزارا، حتیٰ کہ ہارون سفر حج کے دوران مدینہ آگیا اور امام علیہ السلام کو مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے گرفتار کر کے زنجیروں میں کسا اور قید خانے میں ڈال دیا۔ پھر آپ کو مدینہ سے بصرہ اور وہاں سے بغداد لے جایا گیا اور سالہا سال تک مختلف قید خانوں میں منتقل کیا جاتا رہا۔ آخر کار بغداد میں واقع سندی ابن شاھک کے قید خانے میں زہر خورانی کی وجہ سے آپ کی شہادت واقع ہوگئی[۴] اور ورقریش کے قبرستان میں دفن ہوئے جواب شہر کاظمیہ کہلاتا ہے۔

آٹھویں امام

آٹھویں امام حضرت علی الرضاؑ ساتویں امامؑ کے فرزند تھے۔ مشہور روایات کے مطابق آپ ۱۴۸ ہجری (بمطابق ۷۶۵ میلادی) میں پیدا ہوئے اور ۲۰۳ھ (بمطابق ۸۱۷ میلادی) میں فوت

۱۔ الفصول المہمہ، ص ۲۱۲، دلائل الامامۃ، ص ۱۱۱، اثبات الوصیۃ، ۱۴۲ ۔۔ ۲۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۳۱۰

۳۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۴۷۶، ارشاد، ص ۲۷۰، الفصول المہمہ، ۲۱۳ تا ۲۲۳، دلائل الامامۃ، ص ۱۴۶ تا ۱۴۸، تذکرۃ الخواص، ص ۳۴۸ تا ۳۵۰، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۲۴، تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۱۵۰ ۔۔ ۴۔ ارشاد، ص ۲۷۹ تا ۲۸۳، دلائل الامامۃ، ص ۱۴۸ تا ۱۵۴، الفصول المہمہ، ص ۲۲۲، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۲۳ تا ۳۲۷، تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۱۵۰

ہوئے ۔ آپ امرِ الٰہی اور اپنے آباء واجداد کی وصیت کے مطابق اپنے والد بزرگوار کی وفات پر منصب امامت پر فائز ہوئے۔ آپ اپنی امامت کے زمانے میں عباسی خلفاء ہارون اور اس کے بیٹوں امین اور مامون کے ہمعصر تھے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد مامون اور امین آپس میں الجھ گئے جس کے نتیجے میں خونریز جنگیں ہوئیں۔ بالآخر امین مارا گیا اور مامون خلیفہ بن گیا ۔ اس وقت تک عباسی خلفاء کا شیعوں کے ساتھ برتاؤ بڑا سخت اور ظالمانہ تھا۔ چنانچہ آئے دن حضرت علیؑ کے حامی (علوی) علم بغاوت بلند کرتے۔ نتیجۃً خونریز جنگیں ہوتیں جو خلفاء کے لئے بڑی تشویش کا باعث تھیں۔

ائمہ اہل بیتؑ نہ تو بغاوت کرنے والوں کے ساتھ تعاون کرتے اور نہ ہی ان کے معاملات میں دخل دیتے تھے۔ اس زمانے کے شیعہ جن کی تعداد اچھی خاصی تھی ائمہ علیہم السلام کو اپنے واجب الاطاعت روحانی پیشوا اور امام سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک وہی رسول اکرمؐ کے حقیقی خلیفہ تھے۔ وہ خلافت کو ائمہؑ کے مقدس دائرہ اختیار سے دور سمجھتے تھے کیونکہ اس وقت خلافت نے قیصر وکسریٰ کے درباروں کی وضع اختیار کر لی تھی اور وہ لوگ اس کا کاروبار چلا رہے تھے جنہیں دینی احکام کے اجراء کی بجائے دنیاوی حکومت میں زیادہ دلچسپی تھی۔ اس صورت حال کا باقی رہنا خلافت وقت کے لئے بیحد خطرناک تھا۔

جن مشکلات پر مامون کے عباسی آباء واجداد کے ستر سال پرانے طریق کار کے ذریعے قابو نہیں پایا جاسکا تھا انہیں حل کرنے کے لئے اس نے ایک نئی تجویز سوچی۔ چنانچہ اس نے آٹھویں امام کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا۔ اس طرح وہ دو مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اول یہ کہ سادات علوی حکومت کے خلاف بغاوت نہیں کر سکیں گے کیونہ وہ خود حکومت کے کاروبار میں شریک ہوں گے۔ دوم یہ کہ امامؑ پر سے لوگوں کے روحانی اعتقاد اور دلی عقیدت کا خاتمہ ہوجائے گا کیونکہ جب شیعہ دیکھیں گے کہ جس خلافت کو وہ ناپاک سمجھتے رہے خود ان کے امامؑ اس سے وابستہ ہوگئے ہیں اور دنیاوی معاملات میں دلچسپی لینے لگے ہیں تو وہ ان سے بدظن ہوجائیں گے۔ یوں ان کی مذہبی تنظیم کا خاتمہ ہوجائے گا اور وہ خلافت کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقاصد حاصل ہوجانے کے بعد امامؑ کو راستے سے ہٹا دینا عباسیوں کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ ۳

۱۔ اصول الکافی، ج ۱، ص ۴۸۶، ارشاد، ص ۲۸۴ تا ۲۹۵، دلائل الامامۃ، ص ۱۴۵ تا ۱۷۷، الفصول المہمہ، ص ۲۲۵ تا ۲۴۲، تاریخ یعقوبی، ج ۳ ص ۱۸۸

۲۔ اصول الکافی، ج ۱، ص ۴۸۸، الفصول المہمہ، ص ۲۳۷

۳۔ دلائل الامامۃ، ص ۱۹۷، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۶۳

اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مامون نے امامؑ کو مدینہ سے مرو بلوا بھیجا۔ جب آپ وہاں پہنچ گئے تو اس نے انہیں خلافت کی اور پھر ولی عہدی کی پیش کش کی۔ امامؑ نے معذرت کی اور مامون کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کردیا لیکن بعد میں مجبوراً ولی عہدی اس شرط پر قبول کرلی کہ آپ حکومت کے کاروبار یا عمال کی تعیناتی یا برطرفی میں کوئی حصہ نہیں لیں گے۔[1]

یہ واقعہ ۲۰۰ء ہجری (بمطابق ۸۱۴ میلادی) میں پیش آیا تاہم مامون کو جلد ہی احساس ہوگیا کہ اس نے امامؑ کو ولی عہد مقرر کر کے غلطی کی ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں شیعیت تیزی سے پھیلنے لگی۔ لوگوں کو امامؑ سے بے پناہ عقیدت ہوگئی اور عوام نے حتیٰ فوج اور سرکاری حکام نے بھی آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ مامون نے اس مشکل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی اور بالآخر امام رضا علیہ السلام کو زہر دیکر شہید کر دیا۔ آپ ایران کے شہر طوس میں دفن ہوئے جو آج کل مشہد کہلاتا ہے۔

مامون نے عقلی علوم پر مبنی کتابوں کا دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرانے میں بیحد دلچسپی لی۔ وہ علمی مجالس منعقد کیا کرتا تھا جن میں مختلف ادیان اور مذاہب کے علماء جمع ہوتے تھے اور علمی مناظرے کرتے تھے۔ آٹھویں امامؑ بھی ان مجالس میں شرکت فرماتے اور دوسرے علماء سے مباحثہ اور مناظرہ کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سے مناظروں کی روئداد شیعوں کی حدیث کی کتابوں میں درج ہیں۔[2]

نویں امام

نویں امام حضرت محمد التقیؑ ہیں (جنہیں جواد اور ابن الرضا بھی کہاجاتا ہے) آپ آٹھویں امامؑ کے فرزند تھے۔ آپ ۱۹۵ ہجری (مطابق ۸۰۹ میلادی) میں پیدا ہوئے۔ شیعہ روایات کے مطابق آپ کی بیوی نے جو مامون کی بیٹی تھی عباسی خلیفہ معتصم کی تحریک پر آپ کو زہر دیدیا جس کے نتیجے میں ۲۲۰ ہجری (بمطابق ۸۳۵ میلادی) میں آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔ آپ کو کاظمین میں آپ کے دادا یعنی ساتویں امامؑ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ اپنے والد کی وفات پر امر الٰہی اور اپنے اجداد کی وصیت کے مطابق منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اپنے والد کی وفات کے وقت آپ مدینہ میں تھے۔ مامون نے آپ کو بغداد بلا بھیجا (جو اس وقت دار الخلافت تھا) اور بظاہر آپ سے بڑا اچھا سلوک

۱- اصول الکافی، ج ۱، ص ۴۸۹، ارشاد، ص ۲۹۰، الفصول المہمہ، ص ۲۳۷، تذکرۃ الخواص، ص ۳۵۲، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۶۳

۲- مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۵۱، اور کتاب احتجاج مصنفہ احمد علی ابن علی ابن ابی طالب الطبرسی، ج ۲، ص ۱۷۰ تا ۲۳۷، مطبوعہ نجف ۱۳۸۵ھ

کیا۔ اس نے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دیدی اور آپ کو بغداد میں ہی رکھا۔ دراصل وہ اس ترکیب سے آپ پر اندرونی اور بیرونی دونوں اطراف سے نظر رکھنا چاہتا تھا۔ امامؑ نے کچھ وقت بغداد میں گزارا اور پھر مامون کی رضامندی سے مدینہ چلے گئے۔ آپ مامون کی وفات تک مدینہ میں ہی رہے لیکن معتصم خلیفہ بنا تو اس نے انہیں دوبارہ بغداد بلوا بھیجا اور جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے آپ کی بیوی کے ذریعے زہر دلوا کر شہید کر دیا۔[1]

دسویں امام

دسویں امام حضرت علی النقیؑ تھے (جنہیں ہادی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔) آپ نویں امامؑ کے فرزند تھے۔ آپ ۲۱۲ ہجری (بمطابق ۸۲۷ میلادی) میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور شیعہ روایات کے مطابق ۲۵۴ ہجری (بمطابق ۸۶۸ میلادی) میں عباسی خلیفہ معتز نے زہر دے کر آپ کو شہید کر دیا۔[2]

دسویں امامؑ نے سات عباسی خلفاء یعنی مامون، معتصم، واثق متوکل، منتصر، مستعین اور معتز کا زمانہ دیکھا۔ معتصم کے دور حکومت میں آپ کے والد بزرگوار نے زہر خورانی کی وجہ سے ۲۲۰ ہجری (بمطابق ۸۳۵ میلادی) میں بغداد میں شہادت پائی۔ اس وقت حضرت علی بن محمد النقیؑ مدینہ میں تھے اور امر الٰہی اور اپنے اجداد کی وصیت کے مطابق آپ نے وہیں منصب امامت سنبھالا۔ آپ متوکل کے خلیفہ بننے تک مدینہ میں ہی مقیم رہے اور دینی علوم کی تعلیم دیتے رہے۔ ۲۴۳ ہجری (بمطابق ۸۵۷ میلادی) میں متوکل نے کچھ جھوٹے الزامات کی بنا پر اپنے ایک افسر کو ہدایت کی کہ آپ کو سامرہ آنے کو کہے جو اس وقت دار الخلافت تھا۔ اس نے خود امامؑ کو بھی ایک بڑا محبت آمیز خط لکھا جس میں آپ سے درخواست کی کہ سامرہ آ کر اس سے ملیں۔[3] سامرہ پہنچنے میں بھی بظاہر آپ سے اچھا سلوک کیا گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ متوکل نے آپ کو اذیت پہنچانے اور آپ کی توہین وتذلیل کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ اس نے کئی بار آپ کو قتل یا ذلیل کرنے کے لئے اپنے پاس بلوایا

۱- ارشاد، ص ۲۹۷، اصول الکافی، ج ۱، ص ۴۹۲ تا ۴۹۷، دلائل الامامۃ، ص ۲۰۱ تا ۲۰۹، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۷۷ تا ۳۹۹، الفصول المہمہ، ص ۲۴۷ تا ۲۵۸، تذکرۃ الخواص، ص ۳۵۸

۲- اصول کافی، ج ۱، ص ۴۹۷ تا ۵۰۲، ارشاد، ص ۳۰۷، دلائل الامامۃ، ص ۲۱۶ تا ۲۲۲، الفصول المہمہ، ص ۲۵۹ تا ۲۶۵، تذکرۃ الخواص، ص ۳۶۲، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۰۱ تا ۴۲۰

۳- ارشاد، ص ۳۰۷ تا ۳۱۳، اصول کافی، ج ۱، ص ۵۰۱، الفصول المہمہ، ص ۲۶۱، تذکرۃ الخواص، ص ۳۵۹، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۱۷، اثبات الوصیۃ، ص ۱۷۶، تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۲۱۷

اور آپ کے گھر کی تلاشی بھی لی۔

خاندان رسالت سے دشمنی کے معاملے میں عباسی خلفاء میں متوکل کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اسے حضرت علیؑ سے بالخصوص عداوت تھی اور وہ آپ کو کھلم کھلا برا بھلا کہتا تھا۔ اس نے ایک مسخرے کو عیش وعشرت کی محفلوں میں حضرت علیؑ کی نقلیں اتارنے کا حکم دے رکھا تھا۔ ۲۳۷ ہجری (بمطابق ۸۵۰ میلادی) میں اس نے کربلا میں امام حسینؑ کے روضہ مبارک اور اس کے اردگرد واقع کئی مکانات کو مسمار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد روضہ امامؑ پر پانی چھوڑ دیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ روضۂ مبارک پر ہل چلا کر فصل بودی جائے تاکہ روضہ کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔[۱] متوکل کے دور میں حجاز میں مقیم علوی سادات کی زندگی کے حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو گئے تھے کہ ان کی عورتوں کے پاس سر ڈھانکنے کے لئے چادریں تک نہ تھیں کئی مخدرات کے پاس ایک ہی چادر ہوتی جسے وہ نماز پڑھتے وقت استعمال کرتی تھیں۔ مصر میں مقیم علوی سادات پر بھی ایسی ہی سختی کی گئی۔[۲]

دسویں امامؑ نے متوکل کی ایذائیں اور سختیاں صبر سے برداشت کیں حتیٰ کہ وہ مر گیا اور اس کی جگہ منصر، مستعین اور معتز یکے بعد دیگرے خلیفہ بنے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے معتز نے زہر دیکر آپ کو شہید کر دیا۔

گیارھویں امام

گیارھویں امام حضرت حسن العسکریؑ جو دسویں امامؑ کے فرزند تھے ۲۳۲ء (بمطابق ۸۴۵ میلادی) میں پیدا ہوئے۔ کچھ شیعہ روایات کے مطابق آپ کو عباسی خلیفہ معتمد کی تحریک پر ۲۶۰ھ (بمطابق ۸۷۲ میلادی) میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔[۳]

آپ اپنے والد بزرگوار کی شہادت پر امر الٰہی اور اپنے اجداد کی وصیت کے مطابق منصب امامت پر فائز ہوئے۔ آپ کی امامت کے سات سالوں کے دوران آپ پر خلافت کی طرف سے اس قدر پابندیاں عائد کی گئیں کہ آپ کو یہ مدت خانہ نشینی اور تقیہ کی حالت میں گزارنی پڑی، حتیٰ کہ آپ کا شیعہ عوام سے بھی کوئی معاشرتی رابطہ قائم نہ رہا اور فقط سرکردہ شیعہ اشخاص آپ سے مل سکتے تھے۔

۱- مقاتل الطالبین، ص ۳۹۵ ۲- مقاتل الطالبین، ص ۳۹۵، ۳۹۶

۳- ارشاد، ص ۳۱۵، دلائل الامامۃ، ص ۲۲۳، الفصول المہمہ، ص ۲۶۶ تا ۲۷۲، مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۲۲، اصول الکافی، ج ۱، ص ۵۰۳

علاوہ ازیں آپ کا زیادہ تر وقت قید خانہ میں گزرا۔[۱]

چونکہ اس زمانے میں شیعہ آبادی کی تعداد اور قوت میں کافی اضافہ ہوگیا تھا اس لیے ان پر بے حد سختی کی جانے لگی۔ سبھی جانتے تھے کہ شیعہ امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے اماموں کے بارے میں بھی سب کو علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دربار خلافت کی طرف سے ان پر کڑی نگرانی کی جاتی تھی اور ہر ممکن ذریعے سے خفیہ سازشیں کرکے انہیں نیست ونابود کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں خلفاء کو اس بات کا بھی علم ہوگیا تھا کہ خاص الخاص شیعہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ گیارہویں امامؑ اور ان کے بزرگوں کی روایت کردہ احادیث کے مطابق ان کا (یعنی گیارھویں امامؑ کا) ایک فرزند ہوگا جو جدوجہد موعود ہوگا۔ مہدیؑ کی آمد کی پیشین گوئی رسولؐ اللہ کی احادیث میں کی گئی تھی جو سنی اور شیعہ دونوں کے نزدیک معتبر تھیں۔[۲]

یہی وجہ تھی کہ دوسرے اماموںؑ کے مقابلے میں گیارہویں امامؑ پر خلافت کی جانب سے کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی۔ خلیفۂ وقت نے شیعیت میں امامت کا خاتمہ کرنے اور امامت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کردینے کا قطعی فیصلہ کرلیا تھا۔

پس جونہی معتمد کو گیارہویں امامؑ کی علالت کی خبر ملی اس نے ایک طبیب اور اپنے چند معتمد اشخاص اور قاضی امامؑ کے گھر بھیجے اور انہیں ہدایت کی کہ ان کے پاس رہیں اور ان کی حالت اور ان کے گھر کی کیفیت پر مسلسل نظر رکھیں۔ امامؑ کی شہادت کے بعد انہوں نے پورے گھر کی تلاشی لی اور دائیوں کے ذریعے تمام کنیزوں کا معائنہ کرایا۔ دوسال تک خلیفہ کے کارندے خفیہ طور پر امامؑ کے جانشین کی جستجو میں لگے رہے اور بالآخر مایوس ہوگئے[۳] گیارہویں امامؑ کو سامرہ میں ان کے مکان میں ان کے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

یہاں یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ ائمہ علیہم السلام نے اپنے حین حیات میں سینکڑوں علماء کو دین اور حدیث کی تعلیم دی تھی اور ہمیں ائمہؑ کے بارے میں اطلاعات انہیں علماء کے ذریعے پہنچی ہیں۔

۱۔ ارشاد، ص ۳۲۴، اصول الکافی، ج ۱، ص ۵۱۲، مناقب، ابن شہرآشوب، ج ۴، ص ۴۲۹، ۴۳۰

۲۔ صحیح ترمذی، ج ۹، باب ما جاء فی المہدی، مطبوعہ قاہرہ ۵۲ - ۱۳۵۰ھ، سنن ابوداؤد، ج ۲، کتاب المہدی، سنن ابن ماجہ، ج ۲، باب خروج المہدی، ینابیع المودۃ، کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان، مصنفہ گنجی شافعی، مطبوعہ نجف ۱۳۸۰ھ، نورالابصار، مشکوۃ المصابیح، مصنفہ محمد ابن عبداللہ الخطیب، مطبوعہ دمشق ۱۳۸۰ھ، الصواعق المحرقہ، اسعاف الراغبین، مصنفہ محمد الصبان، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۸ھ، الفصول المہمہ، صحیح مسلم، کتاب الغیبت، مصنفہ محمد ابراہیم النعمانی، مطبوعہ تہران ۱۳۱۸ھ، اکمال الدین، مصنفہ شیخ صدوق، مطبوعہ تہران ۱۳۰۱ھ، اثبات الہداۃ اور بحارالانوار، ج ۵۲-۵۱

۳۔ اصول الکافی، ج ۱، ص ۵۰۵، ارشاد، ص ۳۱۹

طوالت سے بچنے کے لئے یہاں علماء کے اسماء، تصانیف اور حالات زندگی درج نہیں کیے گئے۔[۱]

بارہویں امام

بارہویں امامؑ یعنی مہدی موعود علیہ السلام جنہیں عموماً امام العصرؑ اور صاحب الزمانؑ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ گیارہویں امام علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ آپ رسول اکرمؐ کے ہمنام ہیں۔ آپ ۲۵۶ ہجری (بمطابق ۸۶۸ء) میں سامرہ کے مقام پر پیدا ہوئے اور اپنے والد بزرگوار کی شہادت تک جو ۲۶۰ھ (بمطابق ۸۷۲ء) میں وقوع پذیر ہوئی اور ان کے زیر تربیت رہے۔ آپ کو عوام الناس کی نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا در فقط کچھ سربرآوردہ شیعہ ان کی زیارت سے مشرف ہو سکے۔

آپ اپنے والد کی شہادت پر منصب امامت پر فائز ہوئے اور اللہ کے حکم کے مطابق غیبت اختیار فرمائی۔ اس کے بعد آپ خاص مواقع پر اپنے نائبین کے سامنے آتے تھے۔[۲] امام علیہ السلام نے کچھ مدت کے لئے عثمان ابن سعید عمری کو جو آپ کے والد اور دادا کے صحابی اور آپ کے معتمد رفیق تھے اپنا خاص نائب مقرر کیا۔ آپ شیعوں کے سوالات کے جوابات اپنے نائب کے ذریعے ہی دیتے تھے۔ عثمان ابن سعید کے بعد آپ نے ان کے فرزند محمد بن عثمان عمری کو اپنا نائب مقرر کیا اور ان کے وفات کے بعد ابو القاسم حسین ابن روح نوبختی نائب خاص مقرر ہوئے۔ حسین ابن روح کی وفات پر یہ منصب علی ابن محمد سمری کے سپرد کیا گیا۔[۳]

علی ابن محمد سمری کی وفات سے کچھ دن پہلے امام علیہ السلام کی جانب سے ایک فرمان جاری کیا گیا جس میں اطلاع دی گئی کہ علی ابن محمد سمری چھ دن میں فوت ہوجائیں گے، اس کے بعد نیابت کا سلسلہ ختم ہوجائے گا اور امام علیہ السلام کی غیبت کبریٰ کا آغاز ہوجائے گا جو اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ ظاہر ہونے کی اجازت نہ دیدے۔

لہٰذا بارہویں امام کی غیبت دوحصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ غیبت صغریٰ کا ہے جو ۲۶۰ھ (بمطابق ۸۷۲ میلادی) میں شروع ہوکر ستر سال جاری رہی اور ۳۲۹ھ (بمطابق ۹۳۹ میلادی) میں ختم ہوئی اور دوسرا حصہ غیبت کبریٰ کا ہے جو ۳۲۹ ہجری (بمطابق ۹۳۹ میلادی) میں شروع ہوئی

۱- کتاب الرجال کشی، رجال طوسی، فہرست طوسی اور علم الرجال پر دوسری کتابیں

۲- بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۲ تا ۳۴ اور ۳۴۳ تا ۳۶۶، کتاب الغیبۃ، مصنفہ محمد ابن حسن طوسی، ص ۲۱۴ تا ۲۴۳، مطبوعہ تہران، اثبات الہداۃ، ج ۶، ۷

۳- بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۶۰، ۳۶۱، کتاب الغیبۃ، طوسی، ص ۲۴۲

اور جب تک اللہ چاہے گا جاری رہے گی۔ ایک حدیث کے مطابق جس کی صحت کے بارے میں سبھی متفق ہیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

''اگر دنیا کی زندگی کا فقط ایک دن باقی ہوگا تب بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا طویل کردے گا کہ میری قوم اور خاندان میں سے ایک شخص کو بھیجے۔ وہ میرا ہم نام ہوگا اور وہ دنیا کو جو پہلے ظلم وستم سے پر ہو چکی ہوگی عدل وانصاف سے معمور کردے گا''۔[1]

ظہور مہدیؑ

نبوت اور امامت کے بارے میں بحث کے دوران اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا تھا کہ عام ہدایت کے قانون کے مطابق جس کا اطلاق ساری مخلوق پر ہوتا ہے بنی نوع انسان کو لازمی طور پر ایک ایسی قوت (وحی اور نبوت کی قوت) عطا کی گئی ہے جو اس کی رہنمائی انسانیت کے کمال اور خوش بختی کی جانب کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ کمال اور خوش بختی انسان کو میسر نہ ہو (جس کی زندگی اجتماعی ہے) تو اس کو اس قوت کا عطا ہونا لغو اور باطل قرار پائے گا اور کسی لغو چیز کے وجود کا تخلیق میں کوئی امکان نہیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے اس کی یہ خواہش رہی ہے کہ صحیح معنوں میں خوشی سے بھرپور اجتماعی زندگی گزارے اور اس مقصد کے حصول کی امید میں سرگرم عمل رہا ہے۔ اگر اس قسم کی خواہش کا کوئی خارجی وجود نہ ہوتا تو اس کے حصول کی امید اس کی فطرت میں ہرگز نہ ابھرتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اگر خوراک نہ ہوتی تو بھوک نہ ہوتی، اگر پانی نہ ہوتا تو پیاس بھی نہ ہوتی اور اگر تولید نہ ہوتی تو جنسی کشش بھی نہ ہوتی۔

لہٰذا بوجہ ضرورت (لازماً) ایک دن ایسا آئے گا جب انسانی معاشرہ عدل سے معمور ہوجائے گا۔ سب لوگ امن وامان میں رہیں گے اور انہیں مکمل فضیلت اور کمال حاصل ہوگا۔ اس قسم کے معاشرے کا پیشوا جو عالم انسانیت کا نجات دہندہ ہوگا حدیث کی زبان میں مہدیؑ کہلاتا ہے۔

دنیا میں جو مختلف مذاہب رائج ہیں (مثلاً ہندومت، بدھ مت، یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور اسلام) اور ان سب میں ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو عالم انسانیت کا نجات دہندہ بن کر آئے گا۔ ان مذاہب نے بالعموم اس کے آنے کی خوشخبری دی ہے۔ اگرچہ جزئیات کے بارے میں ان کے مابین کچھ اختلافات ہیں جن کا پتا ان کی تعلیمات کے تقابلی مطالعہ سے چلتا ہے۔ رسول اکرمؐ کی

۱۔ الفصول المہمہ، ص ۲۷۱ (عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی یہ بیان کتاب الفصول المہمہ سے لیا گیا ہے۔)

حدیث جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے (یعنی مہدیؑ میری عترت میں سے ہوگا)۔ اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

اہل تسنن اور اہل تشیع کے حدیث کے مجموعہ میں رسول اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ سے امام مہدیؑ کے ظہور کے بارے میں متعدد روایات نقل کی گئی ہیں مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کی عترت میں سے ہوں گے اور ان کے ظہور کے نتیجے میں انسانی معاشرہ صحیح کمال حاصل کرے گا اور اپنی روحانی زندگی کا مقصد پالے گا۔[1]

علاوہ ازیں بہت سی احادیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امام مہدیؑ گیارہویں امام حسن العسکریؑ کے فرزند ہوں گے۔ ان احادیث میں اس امر پر اتفاق کیا گیا ہے کہ اپنی پیدائش کے بعد امام مہدیؑ طویل غیبت میں چلے جائیں گے اور پھر دوبارہ ظاہر ہوکر اس دنیا کو جو ظلم اور ناانصافی سے پر ہوگی عدل و انصاف سے بھردیں گے۔

مثلاً آٹھویں امامؑ نے ایک حدیث میں ارشادفرمایا کہ:

''میرے بعد میرا بیٹا محمدؑ امام ہوگا اور اس کے بعد اس کا بیٹا علیؑ اور اس کے بعد اس کا بیٹا حسن امام ہوگا اور حسنؑ کے بعد اس کا بیٹا حجت القائمؑ امام ہوگا جس کی غیبت کے دوران اس کا انتظار کیا جائے گا اور ظہور کے دوران اس کی اطاعت کی جائے گی۔ اگر دنیا کی زندگی میں سے فقط ایک دن باقی رہ گیا ہوگا تب بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا طویل کردے گا کہ اس کا (یعنی امام مہدیؑ کا) ظہور ہو اور وہ دنیا کو اسی طرح عدل سے معمور کردے گا جس طرح وہ پہلے ظلم وستم سے پر ہوگی لیکن اس کا ظہور کب ہوگا؟'' جہاں تک ''ساعت'' کا تعلق ہے بلاشبہ میرے والد بزرگوار نے مجھے بتایا''۔

(جنہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے اجداد سے اور انہوں نے حضرت علیؑ سے سنا) کہ رسول اکرمؐ سے پوچھا گیا۔'' یا رسول اللہؐ! '' قائمؑ '' کا جو آپؐ کے خاندان سے ہیں ظہور کب ہوگا؟'' آپ نے فرمایا:

۱۔ حضرت ابوجعفر (پانچویں امامؑ) نے فرمایا ہے: ''جب ہمارا سہارا (قائمؑ) قیام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ اپنے بندوں کے سر پر رکھ دے گا۔ پھر اس کے ذریعے ان کے دل یکجا ہوجائیں گے اور اس کے ذریعے ان کے دماغ کامل ہوجائیں گے''۔ بحارالانوار، ج ۵۲، ص ۳۲۸ اور ۳۲۶ اور حضرت ابوعبد اللہؑ (چھٹے امامؑ) نے فرمایا ہے: ''علم ۲۷ حروف پر مشتمل ہے اور جو کچھ انبیاء کرامؑ لائے وہ صرف دوحرفوں پر مشتمل ہے اور لوگوں نے ان دوحروف کے علاوہ کسی چیز کا علم حاصل نہیں کیا۔ جب ہمارا سہارا (قائمؑ) آئے گا تو وہ باقیماندہ ۲۵ حروف ظاہر کردے گا اور انہیں لوگوں میں نشر کردے گا۔ وہ ان دوحروف کو بھی ان میں شامل کردے گا تاکہ پورے ۲۷ حروف کی اشاعت ہوسکے''۔ بحارالانوار، ج ۵۲، ص ۳۳۶

''ان کا معاملہ ساعت (قیامت) کی مانند ہے'' جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے: '' وہی اسے اس کے معینہ وقت پر ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ایک کٹھن وقت ہوگا۔ وہ تمہارے پاس بس اچانک آجائے گی''۔ ۱ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۸۷)

صقر بن ابی دلف نے کہا ہے:

'' میں نے ابوجعفر محمد ابن علی الرضاؑ (نویں امام) کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میرے بعد امام میرا بیٹا علیؑ ہوگا۔ اس کا حکم میرا حکم ہے، اس کا کلام میرا کلام ہے، اس کی اطاعت میری اطاعت ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حسنؑ امام ہوگا۔ اس کا حکم اس کے باپ کا حکم ہوگا، اس کا کلام اس کے باپ کا کلام ہوگا اور اس کی اطاعت اس کے باپ کی اطاعت ہوگی''۔

یہ فرمانے کے بعد امامؑ خاموش ہوگئے۔ میں نے عرض کیا: '' یا ابن رسول اللہؐ! حسنؑ کے بعد کون امام ہوگا؟ ''

امام علیہ السلام بیحد روئے پھر فرمایا: '' بلاشبہ حسنؑ کے بعد اس کا بیٹا امام ہوگا جو امام منتظر اور امام القائمؑ بالحق ہے''۔ ۲

موسیٰ بن جعفر بغدادی نے کہا ہے: میں نے امام حسن العسکریؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

'' میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے بعد تم لوگوں میں اس بارے میں اختلاف پیدا ہوجائے گا کہ میرے بعد امام کون ہے؟ جو شخص رسول اللہؐ کے بعد اماموں کا انکار کرے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو تمام انبیاء کی نبوت پر ایمان رکھتا ہو لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا منکر ہو اور اگر کوئی رسول اللہؐ کی نبوت سے منکر ہو تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے تمام انبیاء کی نبوت سے انکار کر دیا کیونکہ ہم میں سے آخری کی اطاعت کرنا پہلے کی اطاعت کرنا ہے اور آخری کا منکر ہونا پہلے کا منکر ہونا ہے لیکن یاد رکھو! میرے بیٹے کے لئے بلاشبہ غیبت ہے جس کے دوران میں لوگ اس کے بارے میں شک میں پڑ جائیں گے بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ محفوظ رکھے''۔ ۳

شیعیت کے مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ اس مکتب کے اعتقاد کے مطابق امامؑ غائب کی عمر اس وقت تقریباً ۱۲ سو سال ہے جبکہ اتنی لمبی عمر ایک انسان ہرگز نہیں پاتا۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اعتراض احتمال کے بارے میں ہے، امکان کے بارے میں نہیں ہے۔ بلاشبہ اتنی لمبی یا اسے

۱- بحارالانوار، ج ۵۱، ص ۱۵۴ ۲- بحارالانوار، ج ۵۱، ص ۱۵۳ ۳- بحارالانوار، ج ۵۱، ص ۱۶۰

زیادہ لمبی عمر کا احتمال نہیں ہے تاہم جو لوگ رسولؐ اللہ اور ائمہ اطہارؑ کی احادیث کا مطالعہ کریں تو انہیں پتا چلے گا کہ وہ امام مہدیؑ کی زندگی کو بطور معجزہ پیش کرتے ہیں۔ معجزے یقیناً ناممکنات میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی علمی دلائل سے ان کی نفی کی جاسکتی ہے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ جو اسباب اور عوامل دنیا میں مصروف کار ہیں وہ فقط وہی ہیں جنہیں ہم دیکھتے یا جانتے ہیں اور دوسرے اسباب جنہیں ہم نہیں جانتے یا جن کے آثار اور اعمال کا ہمیں علم نہیں ہے ان کا کوئی وجود نہیں لہذا یہ ممکن ہے کہ ایک بار بنی نوع انسان میں ایسے اسباب اور عوامل وجود میں آجائیں جن کی بنا پر انہیں ایک ہزار یا کئی ہزار سال کی طویل عمر حاصل ہو جائے۔ دنیائے طب بھی ابھی تک ایسے ذرائع دریافت کرنے سے مایوس نہیں ہوئی جو انسان کے لئے طویل عمر کی ضمانت دے سکیں بہر حال یہ اعتراض یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں جیسے اہل کتاب کی جانب سے جو اپنی اپنی مقدس کتابوں کے مقدس مندرجات کی روشنی میں انبیاء علیہ السلام کے معجزات پر ایمان رکھتے ہیں بیحد عجیب ہے۔[۱]

شیعیت کے مخالفین یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اگرچہ اہل تشیع دینی احکام اور حقائق کی تشریح اور لوگوں کی رہنمائی کے لئے امام کا وجود ضروری سمجھتے ہیں لیکن امام کی غیبت اس مقصد کی نفی کرتی ہے کیونکہ جو امام غائب ہو اور لوگ اس سے رابطہ قائم نہ کرسکتے ہوں اس کا وجود لوگوں کے لئے مفید اور موثر نہیں ہوسکتا وہ کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی اصلاح کے لئے کوئی امام بھیجنا چاہے تو وہ اسے ضرورت کے وقت پیدا کرنے پر قادر ہے اور اسے مناسب وقت سے ہزاروں سال پہلے پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے امامت کے حقیقی معنی سمجھے ہی نہیں کیونکہ امامت کے بارے میں بحث سے واضح ہوگیا ہے کہ امام کا فریضہ فقط لوگوں کو دینی علم سکھانا اور ان کی ظاہری رہنمائی کرنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ ولایت اور لوگوں کی باطنی رہنمائی کا بھی ذمہ دار ہے۔ وہی لوگوں کی روحانی زندگی کی تنظیم کرتا ہے اور ان کے اعمال کے باطنی پہلو کی سمت اللہ تعالیٰ کی جانب متعین کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس معاملے میں امام کی جسمانی موجودگی یا غیر موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اگرچہ لوگوں کی جسمانی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے لیکن باطنی طور پر ان پر نگاہ رکھتا ہے اور ان کی روحوں سے اس کا رابطہ قائم ہوتا ہے اور اگرچہ اصلاح عالم کے لئے اس کے ظہور کا وقت ابھی نہ آیا ہو لیکن اس کی موجودگی ہر وقت ضروری ہے۔

۱۔ غیبت امام مہدیؑ پر جامعہ تعلیمات اسلامی کی کتاب "انتظار امام" مؤلفہ آیت اللہ سید محمد باقر صدر ملاحظہ فرمائیں۔

شیعیت کا روحانی پیغام

عالم انسانیت کے لئے شیعیت کے پیغام کا خلاصہ ایک جملے میں پیش کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ ''اللہ کو پہچانیں'' دوسرے الفاظ میں یہ مذہب لوگوں کو ہدایت کرتا ہے کہ معرفت الٰہی حاصل کریں تا کہ لوگ نجات پائیں۔ یہ وہی جملہ ہے جس کے ساتھ رسول اکرمؐ نے اپنی عالمگیر دعوت کی ابتداء کی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:

''اے لوگو! اللہ کو اس کی توحید میں پہچانو ور اقرار کرو تا کہ فلاح پاؤ''۔[۱]

اس پیغام کی مختصر توضیح ہم ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اس دنیاوی زندگی میں انسان فطری طور پر بہت سے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے اور بہت سی مادی لذتوں کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ لذیذ خوراک، خوشنما لباس، شاندار محلات، دلفریب ماحول، حسین وجمیل بیوی، مخلص دوست اور کثیر دولت چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں اسے سیاسی قوت، اعلیٰ عہدوں، عزت وشہرت اور حکومت کی خواہش ہوتی ہے اور جو چیزیں اس کی خواہشات کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بنے اسے تباہ کر دینا چاہتا ہے۔ تاہم اپنی خداداد فطرت کی بدولت وہ اس بات کو سمجھتا ہے کہ گویا تمام چیزیں انسان کے لئے بنائی گئی ہیں لیکن انسان ان چیزوں کے لئے نہیں بنایا گیا۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے
(اقبالؔ)

لہٰذا ضروری ہے کہ یہ چیزیں انسان کی تابع ہوں نہ یہ کہ انسان ان کے تابع ہو۔ پیٹ اور اس کے نچلے حصے کو زندگی کا حقیقی مقصد سمجھا گائے اور بھیڑ کی منطق ہے اور چیر پھاڑ کرنا اور دوسروں کو بے دست وپا کر دینا شیر، بھیڑیے اور لومڑی کی خاصیت ہے۔ انسان کی فطری منطق فقط عقل ودانش کا حصول ہے اور بس۔

عقل پر مبنی منطق اپنی حقیقت شناسی کی قوت کے ساتھ ہماری رہنمائی نفس پرستی، خود بینی اور خود غرضی کی جانب نہیں بلکہ حق وصداقت کی پیروی کی جانب کرتی ہے۔ یہ منطق انسان کو کائنات کا ایک

۱۔ فلاح کے معنی موجودہ دور میں سمجھے جانے والے فقط خالصتاً ظاہری نجات کے نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب عالی تر معنوں میں رہائی اور روحانیت کا حصول بھی ہے۔

جزو سمجھتی ہے جسے کوئی آزادی اور خود سری حاصل نہیں۔ موجود نظریے کے برخلاف جس کے مطابق انسان تمام مخلوق کا فرمانروا ہے اور سرکش فطرت کو رام کرتا ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ درحقیقت انسان خود فطرت کے ہاتھ میں ایک آلہ ہے اور اس کے تابع ہے۔ عقل پر مبنی منطق انسان کو دعوت دیتی ہے کہ انسان اس دنیا کی ہستی کے بارے میں جو کچھ جانتا ہے اس پر زیادہ توجہ متمرکز کرے حتیٰ کہ اس پر واضح ہوجائے کہ جہان ہستی اور جو کچھ اس میں ہے اس نے خود اس سے جنم نہیں لیا بلکہ اس کا سرچشمہ ایک لامتناہی منبع ہے۔ اس وقت اسے معلوم ہوگا کہ یہ تمام حسن وقبح اور آسمانوں اور زمین کے تمام موجودات جو بظاہر مستقل حقیقتیں نظر آتے ہیں دراصل اپنی حقیقت ایک اور حقیقت سے حاصل کرتے ہیں۔ جس طرح کل کی حقیقتیں، قدرت اور عظمت آج قصے کہانیوں سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتیں، اسی طرح آج کی حقیقتیں آنے والے کل کی حقیقت کے مقابلے میں ایسے خواب کی مانند ہوں گی جس کی دھندلی سی یاد باقی ہو اور بالآخر ہر چیز بجائے خود ایک افسانے اور خواب سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ فقط اللہ ہی وہ مطلق حقیقت ہے جو زوال ناپذیر ہے ہر چیز اس ہستی کی پناہ میں ہستی حاصل کرتی ہے اور اسی کی ذات کی روشنی سے روشن اور ظاہر ہوتی ہے۔ اگر انسان کو اس کی بصیرت حاصل ہوجائے تو اس کا علیحدہ ہستی کا خیمہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہی گرجائے گا جیسے پانی کی سطح پر بلبلا پھوٹ جاتا ہے پھر وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا کہ دنیا اور اس کے موجودات ایک ایسی لامحدود ہستی پر تکیہ کرتے ہیں جو زندگی، قدرت، علم اور ہر قسم کے لامتناہی کمال کی مالک ہے۔ انسان اور دنیا کا ہر دوسرا موجود بہت سے دریچوں کی مانند ہیں جو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اپنے آپ سے آگے پھیلے ہوئے جہان ابدیت کی جھلک دکھاتے ہیں۔

یہی وہ وقت ہے جب انسان خود اپنے آپ سے اور تمام دوسرے موجودات سے آزادی اور افضلیت کی صفات واپس لے کر ان کے مالک کے سپرد کردیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خدائے واحد سے وابستہ کرنے کے لئے باقی سب چیزوں سے رشتہ توڑ لیتا ہے۔ وہ فقط اس کی عظمت اور کبریائی کے سامنے سر تعظیم خم کرتا ہے۔ اس موقع پر اس کی رہنمائی اپنے پروردگار کی جانب ہوتی ہے اور جس چیز کو وہ پہچانتا ہے اللہ کے واسطے سے پہچانتا ہے۔ خداوندی ہدایت کی بدولت وہ پاکیزہ اور نیک اعمال سے آراستہ ہوجاتا ہے اور یہی چیز اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے جو کہ دین فطرت ہے۔

یہ انسانی کمال کا آخری درجہ اور انسان کامل یعنی امام کا مقام ہے جس پر وہ اللہ کے کرم سے پہنچتا

ہے۔ علاوہ ازیں جو لوگ روحانی طریقوں پر عمل کر کے اس مقام پر پہنچیں ان کے مختلف درجے ہوتے ہیں اور وہ امام کے حقیقی پیرو ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی معرفت اور امام کی معرفت ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ اللہ کی معرفت اور خود اپنی معرفت جدا نہیں ہوتیں کیونکہ جو شخص اپنی مجازی ہستی کو پہچان لے وہ خداوند بزرگ و برتر کی ہستی کو بھی پہچان لیتا ہے۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه

پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
(میر تقی میر)

(ماخوذ از: پاسداران اسلام، علامہ محمد حسین طباطبائی، مطبع: شاہین بکس کراچی)